الاستفتاء

مولانا عبیداللہ خان عفیف

❖ نمازِ تسبیح باجماعت کی شرعی حیثیت
❖ مختلف حفاظ کا تراویح کی دو دو رکعت پڑھانے کا جواز
❖ تالیاں بجا کر زور زور سے اجتماعی دعا کرنے کی شرعی حیثیت
❖ بطور تبرک قرآن خوانی یا آیت کریمہ کے ورد کی حیثیت

سوالات:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسائل کے بارے میں:
نماز تسبیح باجماعت پڑھنا سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور تعاملِ صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت نہیں تو کیا یہ بدعت ہے؟ ایک مولوی صاحب کے نزدیک جس طرح تراویح کا باجماعت پڑھنا صحیح ہے، اسی طرح نمازِ تسبیح بھی باجماعت جائز و مستحب ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

۲۔ ہمارے ہاں رمضان شریف کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کا ثواب حاصل کرنے کا طریقہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ایک قاری صاحب تشریف لاتے ہیں، دو رکعت پڑھا کر چلے جاتے ہیں، پھر دوسرے قاری صاحب دو رکعت پڑھاتے ہیں، اسی طرح رکعاتِ تراویح پڑھانے والے متعدد امام ہوتے ہیں ہر دو رکعت یا چار رکعت پڑھ چکنے کے بعد وعظ و تقریر کا سلسلہ بھی خوب ہوتا ہے۔ نیز مذکورہ بالا وقتوں کے درمیان کھانے پینے کا جشن بھی ہوتا ہے جس پر ہزاروں روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ بعض مساجد کے خطیب صاحب وتر پڑھا چکنے کے بعد مسجد کی تمام بتیاں بجھا کر بڑی گریہ زاری کے ساتھ چیخیں مار مار کر روتے اور چلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔ نیز مساجد میں حاضرین کے لیے سحری کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ مجلس صبح صادق کے قریب برخاست ہوتی ہے۔

علماء کرام کی خدمتِ عالیہ میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ ہمارے احوال پر رحم فرمائیں اور ہماری مکمل طور پر رہنمائی کریں کہ کیا لیلۃ القدر حاصل کرنے کا یہ طریقہ تعاملِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، تعاملِ صحابہ کرامؓ، تعاملِ تابعینؒ و تبع تابعینؒ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا یہ طریقہ بدعت ہے؟ اس تمام کارروائی میں حصہ لینے والوں کو ثواب ہوگا یا وہ گنہگار ہوں گے؟

۴۔ (ا) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانہ مبارکہ میں عورتیں نماز تراویح کے لیے خصوصاً طاق راتوں میں لیلۃ القدر کا ثواب حاصل کرنے کے لیے ساری رات مسجدوں میں گزارتی تھیں یا ان کا الگ کوئی انتظام و اہتمام ہوتا تھا؟

۴۔ (ب) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام (حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری) کو نماز تراویح پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا وہ دونوں نصف نصف پڑھاتے تھے یا ایک ہی ساری تراویح پڑھاتا یا ایک مردوں کو دوسرا عورتوں کو پڑھاتا؟

۵۔ ہمارے ہاں اکثر یہ رواج ہے کہ اگر کوئی صاحب نیا مکان بنائے، یا کسی حادثہ سے بچ جائے تو وہاں پر دینی مدارس کے طلباء کو بلا کر قرآن خوانی کرائی جاتی ہے نیز آیت کریمہ کا وظیفہ جو سوا لاکھ مرتبہ کھجوروں کی گٹھلیوں پر پڑھایا جاتا ہے اس کا ورد ہوتا ہے اور بعد میں پڑھنے والے طلباء کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ بعض دفعہ اس کام کے ٹھیکیدار یہ بھی طے کر لیتے ہیں کہ ہم آپ سے اس کام کا معاوضہ بالکل نہیں لیں گے بس چار ہزار یا آٹھ ہزار وغیرہ وغیرہ کی رقم ہمارے مدرسہ کو چندہ دے دینا۔

کیا یہ ساری کارکردگی سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا بدعت کے ذیل میں آتی ہے؟ ایسا کرنے کرانے والے کو ثواب ملے گا یا گناہ؟ ایسی مجالس میں شمولیت کیسی ہے؟

(سائل حافظ محمد اقبال ربانی
خطیب جامع مسجد اہل حدیث باغ والی سیالکوٹ شہر)

الجواب بعون الوھاب:

واضح ہو کہ حدیث صلوٰۃ تسبیح کی اسنادی حیثیت ہی میں سخت اختلاف ہے نہ صرف اس کی صحت وضعف میں۔ بلکہ بعض ائمہ نے اس حدیث کو موضوع تک بھی کہا ہے۔ الشیخ علیہ اللہ دامت برکاتہ رقمطراز ہیں:

"واعلم انہ اختلف کلام العلماء فی حدیث صلوٰۃ التسبیح فضعفہ جماعۃ منہم العقیلی وابن العربی والنووی فی شرح المہذب وابن تیمیۃ وابن عبد الہادی والحافظ فی التلخیص وبالغ ابن الجوزی فاوردہ فی الموضوعات وقال فیہ موسی بن عبد العزیز مجہول وصححہ اوحسنہ جماعۃ منہم ابوبکر الآجری وابومحمد عبد الرحیم المصری والحافظ ابوالحسن المقدسی و ابوداؤد صاحب السنن ومسلم صاحب الصحیح و الحافظ صلاح الدین العلائی والخطیب وابن صلاح و السبکی وسراج الدین البلقینی وابن مندہ والمنذری و وابوموسی المدینی والزرکشی والنووی فی تہذیب الاسماء والصفات وابوسعد السمعانی والحافظ فی الخصال المکفرۃ للذنوب المقدمۃ والمؤخرۃ وابومنصور والبیہقی و الدارقطنی" مرعاۃ المفاتیح ج۲ص ۲۵۳ و تحفۃ الاحوذی ج۱ص ۳۵۰۔

"امام طفیلی، عقیلی، ابوبکر ابن العربی، نووی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن عبد الہادی، اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور امام ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا راوی موسٰی بن عبد العزیز مجہول ہے اور بغدادی، ابن صلاح، سبکی، سراج الدین بلقینی، حافظ ابن مندہ، منذری، ابوموسٰی مدنی، زرکشی، نووی (تہذیب الاسماء والصفات میں) ابوسعید سمعانی، حافظ ابن حجر

(خصال المکفرہ میں) ابو منصور، بیہقی اور امام دار قطنی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے"۔ (مرعاۃ ج ۲ ص ۳۵۰) معلوم ہوا کہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت سخت مخدوش ہے۔

تاہم ہمارے نزدیک تعددِ طُرق کی وجہ سے یہ حدیث قابلِ عمل ہے اور نماز تسبیح پڑھ لینا گناہوں کی مغفرت اور بلندئ درجات و حسنات کا ایک اچھا ذریعہ ہے لیکن اس کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو اکٹھا کر کے مسجد میں باجماعت نماز تسبیح پڑھنا کم از کم شائبہ بدعت سے خالی نہیں۔ اوّل اس لیے کہ یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز اصل ہی میں بُری ہو تو بدعت ہو گی بلکہ وُہ عبادات اور اہم طاعات بھی، جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے، ان کو اپنی طرف سے مقید کرنا یا ان کی منقول کیفیت کو تبدیل کرنا، یا اپنی طرف سے ان کو خاص اوقات کے ساتھ متعین کر دینا وغیرہ شرعاً بدعت ہی ہو گی اور شریعت اسلامیہ اسے کو برداشت نہیں کرے گی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومہ احدکم" (باب کراھیۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم لا یوافق عادتہ۔" (ج ۱ ص ۳۶۱)

"حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کی رات کو دوسری راتوں کے علی الرغم نماز اور قیام کے لیے خاص نہ کرو اور جمعہ کے دن کو دُوسرے دنوں کے مقابلہ میں نفلی روزہ کے لیے خاص نہ کرو۔ ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا ہے اور جمعہ کا دن بھی اس میں آجائے تو پھر کوئی حرج نہیں"۔

اس صحیح حدیث سے واضح ہوا کہ جمعہ کی بزرگی نماز جمعہ کی وجہ سے ہے محض اس بزرگی کے سبب جمعہ کی رات کو نوافل کے لیے اور دن کو روزے کے لیے خاص کرنا درست نہیں۔

۲۔ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی غرناطیؒ بدعات کی تعیین اور ان کا رد کرتے ہوئے

رقمطراز ہیں:

"ومنها التزام الکیفیات والہیئآت المعینۃ کالذکر بہیئۃ الاجتماع علی صوت واحد واتخاذ یوم ولادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدا وما اشبہ ذٰلک ومنہا التزام العبادات المعینۃ فی اوقات معینۃ لم یوجد لہا ذٰلک التعیین فی الشریعۃ کالتزام صیام یوم النصف من شعبان وقیام لیلتہ" (الاعتصام الشاطبی (ج ۱ص ۲۰)

یعنی "انہی بدعات میں سے کیفیات مخصوصہ اور ہیئآت معینہ کا التزام ہے جیسا کہ ہیئت اجتماع کے ساتھ ایک آواز پر ذکر کرنا اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو عید منانا وغیرہ اور انہی بدعات میں سے اوقات خاص کے اندر ایسی عبادات معینہ کا التزام کر لینا بھی شامل ہے جن کے لیے شریعت اسلامی نے اوقات معین نہیں کیے۔ جیسے پندرہ شعبان کا روزہ اور اس کی پندرھویں رات کی عبادت کا التزام کرنا ہے۔"

موصوف دوسرے مقام پر مزید لکھتے ہیں:

"فاذا ندب الشرع مثلا الی ذکر اللہ فالتزم قوم الاجتماع علیہ علی لسان واحد وبصوت اوفی وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات لم یکن فی ندب الشرع ما یدل علی ھذا التخصیص الملتزم بل فیہ ما یدل علی خلافہ لان التزام الامور غیر اللازمۃ شرعا شانہا ان تفہم التشریع وخصوصا مع من یقتدی بہ فی مجامع الناس کالمساجد فانہا اذا ظہرت ھذا الاظہار ووضعت فی المساجد کسائر الشعائر التی وضعہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المساجد وما اشبہہا کالاذان وصلوٰۃ العیدین .... فہم منہا بلاشک انہا سنن اذ لم تفہم

منها الفرضية ..... فصارت من هذه الجهة بدعا محدثة بذلك" (الاعتصام ج ۱ ص ۲۰۰)

کہ "جب شریعت نے کسی چیز کو مندوب قرار دیا ہو مثلاً اللہ کا ذکر، سو اگر ایک قوم اس کا التزام کر لے کہ ایک زبان ہو کر ایک ہی آواز سے ذکر کرنے لگ جاتی ہے یا دیگر اوقات کے علاوہ کسی معلوم اور مخصوص وقت کی پابندی کے ساتھ وُہ ذکر کرتی ہے تو شریعت کی ترغیب اس میں تخصیص اور التزام پر ہرگز دلیل نہیں ہوگی بلکہ شریعت اس کے خلاف ہوگی کیونکہ جو امور شرعاً لازم نہیں ان کا التزام کرنا دراصل شریعت سازی کا حکم رکھتا ہے۔ بالخصوص جبکہ ان غیر لازم امور کا التزام مساجد کے نامی گرامی ائمہ کرام اپنی مساجد میں شروع کر دیں تو وُہ امور عوام میں کم از کم سنت کا درجہ ضرور حاصل کر لیں گے۔ لہٰذا اس جہت سے یہ امور بلاشبہ بدعت ہیں"۔..

۶۔ ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

"ان هذی امر ہے۔ خصوصیات بالوقت او بالحال والهيئة و الفعل المخصوص يحتاج الى دليل خاص يقتضى استحبابه بخصوصه وهذا اقرب"۔

یعنی "یہ خصوصیات وقت یا حال اور ہیئت اور فعل مخصوص کے ساتھ کسی خاص دلیل کی محتاج ہیں۔ (الاحکام الاحکام، دقیق العید ص ۱۷۲ ج ۱)

پھر روافض کی عید غدیر کی تردید کرنے کے لیے لکھتے ہیں:

"وقريب من ذلك ان تكون العبادة من جهة الشرع مرتبة على وجه مخصوص فيريد بعض الناس ان يحدث فيها امرا اخر لم يرد به الشرع زاعما انه يندرجه تحت عموم فهذا لا يستقيم لان الغالب على العبادات التعبد وماخذها التوقيف"۔

(احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۷۲)

اُسی کے قریب یہ بات بھی ہے کہ کوئی عبادت شریعت میں کسی خاص طریقہ پر ثابت ہو اور بعض لوگ اس میں کچھ تبدیلی کر دیں اور خیال یہ کریں کہ یہ بھی عموم کے نیچے داخل ہے تو ان کا ایسا خیال درست اور صحیح نہ ہو گا کیونکہ عبادات کے اندر تعبدی طریقہ غالب ہے اور اس کا ماخذ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ سے) اطلاع پائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔"

مجدد وقت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

" ومنہا التشدد وحقیقتہ اختیارات عبادات شاقۃ لم یأمر بہا الشارع کدوام الصیام والقیام والتبتل وترك التزوج وان یلتزم السنن والآداب کالتزام الواجبات ..... فاذا کان ھذا المتعمق والمتشدد معلم قوم ورئیسہم ظنوا ان ھذا امر الشرع ورضاء وھذا داء رھبان الیھود والنصاری ۔ (حجۃ اللہ ج، البالغۃ احکام الدین من التحریف ج ۱ ص ۱۲۰)

" تحریف دین کے من جملہ اسباب کے ایک یہ سبب ہے ین میں تشدد اختیار کیا جائے اور اس تشدد کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی شکل عبادات کو اختیار کیا جائے جس کے متعلق شارع نے کوئی حکم نہیں دیا، مثلاً کوئی دوامی طور پر روزہ رکھے، قیام کرے، تخلیہ میں بیٹھا رہے اور نکاح کرنے سے گریز کرے اور مثلاً یہ کہ سنتوں اور مستحبات کا ایسا التزام کرلے جیسا کہ واجبات کے لیے کیا جاتا ہے .... پھر فرمایا، جب کوئی ایسا متعمق یا متشدد کسی قوم کا معلم یا سردار بن جاتا ہے تو قوم یہ خیال کر لیتی ہے کہ اس کا یہ عمل شرع کا حکم اور اس کا پسندیدہ امر ہے اور یہی بیماری بھی یہودیوں اور نصاریٰ کے صوفیوں میں۔"

امام ابو اسحاق شاطبی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوا کہ شریعت نے جن عبادات اور طاعات کو مطلق چھوڑا ہے ۔ ان میں

اپنی طرف سے قیود لگا دینا یا ان کی کیفیت اور ہیئت کو بدل دینا یا ان کو اوقاتِ معینہ کے ساتھ متعین کرنا گویا دین کو بدل دینا ہے اور اسی کا نام تحریفِ دین ہے۔
یہی وجہ ہے کہ قانونِ الٰہی نے انسانوں کو ان کی اپنی مرضی پر نہیں چھوڑا، عباداتؔ و معاملات یہاں تک کہ حکومت اور سلطنت کے احکام میں بھی پابند کر دیا ہے تاکہ وہ اپنی اہواء و خواہشات کے حصول میں دین کا چوکھٹا نہ بگاڑ بیٹھیں۔ چنانچہ فلسفۂ تاریخ و سیاست کے ماہر علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ اس حقیقت کا یوں اظہار کرتے ہیں:

"فجاءت الشرائع بحملہم علیٰ ذٰلك فی جمیع احوالہم من عبادۃ او معاملۃ حتیٰ فی الملك الذی ھو الطبیعی للاجتماع الانسانی فاجرتہ علی منہاج الدین لیکون الکل محوطا بنظر الشارع" (مقدمۃ ابن خلدون ص ۱۹۰ و منہاج الواضح ص ۱۲۱)

کہ "شرائع اسلامیہ اسی لیے تو آئی ہیں کہ لوگوں کو تمام احوال میں خواہ وہ عبادات ہوں یا معاملات حتیٰ کہ ملکی انتظام جو لوگوں کے اجتماع کا ایک طبعی امر ہے۔ دین پر ہی قائم رہنے کی تلقین کریں تاکہ ان کے تمام معاملات شارع کی نگرانی میں ہوں۔"

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثابت شدہ مطلق عبادات اور طاعات میں اپنی طرف سے قیود عائد کرنے اور ان کی ہیئت کو تبدیل کرنے کو بدعت قرار دیتے تھے۔ معلوم ہے کہ نماز چاشت (صلوٰۃ الضحیٰ) صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اور پھر حضرت عائشہ رضؓ بھی صلوٰۃ ضحیٰ پڑھا کرتی تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ کو اس کی پابندی کی وصیت بھی فرمائی تھی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۷)
لیکن اس کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمرؓ صلوٰۃ الضحیٰ باجماعت کو بدعت کہتے ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ میں اور عروہ بن الزبیر دونوں مسجد میں داخل ہوتے "فاذا عبداللہ بن عمر جالس الی حجرۃ عائشۃ واذا اناس یصلون فی المسجد صلوٰۃ الضحیٰ قال فسألناہ عن

صلوتہم فقال بدعۃ" (باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ص ۲۳۸ والصحیح لمسلم مع النووی ج ا ص ۴۰۹) تو اس وقت جناب عبداللہ بن عمر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ کے پاس تشریف فرما تھے اور کچھ لوگ مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے۔ ہم نے حضرت عبداللہؓ سے ان کی اس نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ "بدعت ہے" جبکہ یہ نماز متعدد صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو بدعت کیوں کہا؟ بدعت اس لیے کہا ہے کہ آں حضرت صلعم کے زمانہ میں اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا رواج نہ تھا۔ جبکہ یہ لوگ باجماعت ادا کر رہے تھے، چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:

"مرادہ ان اظہارہا فی المسجد والاجتماع لہا ھو بدعۃ لا ان صلوۃ الضحی بدعۃ وقد سبقت المسئلۃ فی کتاب الصلوۃ" (نووی ج ا ص ۴۰۹)

کہ "حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کرکے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع کا اہتمام کرنا یہ بدعت ہے نہ یہ کہ نماز چاشت ہی سرے سے بدعت ہے۔ یہ مسئلہ کتاب صلوٰۃ میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔

امام ابوبکر محمد بن ولید الطرطوشی لکھتے ہیں:

"ومحمل عندی علی احد وجہین۔ اما انہم کانوا یصلونہا جماعۃ واما انہم کانوا یصلونہا معا افذا ذاً علی ھیئۃ النوافل فی اعقاب الفرائض" (کتاب الحوادث والبدع ص ۴۰)

کہ "حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یا تو اس لیے بدعت کہا کہ وہ باجماعت نماز چاشت پڑھ رہے تھے یا اکیلے اکیلے پڑھ رہے تھے مگر اس طرح جیسے فرائض کے بعد ایک ہی وقت میں نمازی حضرات سنن رواتب پڑھتے ہیں"

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ بھی بڑا مشہور ہے جسے امام دارمی نے نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ کوفہ کی مسجد میں سحری کے وقت حلقہ بنا کر کنکریوں پر سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ سو سو مرتبہ پڑھ رہے تھے تو حضرت ابن مسعود رضؓ نے انہیں ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا تھا:

"فقال فعدّوا من سیاتکم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شیئ ویحکم یا امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ما اسرع ھلکتکم ھؤلاء الصحابۃ بینکم متوافرون وھذا ثیابہ لم تبل وآنیتہ لم تکسر..... او مفتحی باب ضلالۃ"

(مسند دارمی بسند صحیح ص ۳۸)۔

"تم اپنی ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کرو میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی افسوس ہے تم پر اے امت محمد صلعم تم کتنی جلدی ہلاکت میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ابھی تو تم میں صحابہؓ کرام بکثرت حیات ہیں۔ ابھی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے اور ان کے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ کیا تم تو ایسا کر کے گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو"

اور اس طرح کے اور بھی بہت سے واقعات محفوظ ہیں لعل فیہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ۔

اس ساری گفتگو سے ثابت ہوا کہ جو عبادت اور طاعت شرع میں جس طرح سے منقول ہو اس کو اسی طرح ادا کرنا چاہیئے یعنی اس کو اس کی ہیئت پر ہی قائم رکھنا چاہیئے۔ اگر اس مطلق عبادت اور طاعت کو مقید کیا جائے گا یا اس غیر موقت کو موقت بنایا جائے گا یا اس غیر معین کو معین کر لیا جائے گا تو وہ بدعت بن جائے گی۔ لہٰذا نماز تسبیح چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام سے باجماعت پڑھنا ثابت نہیں نہ مسجد میں، نہ گھروں میں، نہ رمضان میں اور نہ غیر رمضان میں لہٰذا اس کو باجماعت پڑھنا۔ لوگوں کو حیلہ بہانوں سے اکٹھا کرنا اور اس کا اہتمام کرنا بدعت کے شائبہ سے خالی نہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس نماز کو انفرادی طور پر ہی پڑھا جائے۔

ثانی یہ کہ اس نماز میں جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں۔ ان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس

نماز کو اکیلے ہی پڑھا جائے۔ ورنہ ان کی گنتی میں کمی بیشی ضرور ہو جائے گی۔ کیوں کہ یہ ضروری نہیں کہ امام اور مقتدیوں کی رفتار ہم آہنگ اور مساوی ہو۔ کیوں کہ کوئی تیز پڑھنے والا ہوتا ہے اور کوئی ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے۔ کسی کی زبان تیز چلتی ہے اور کسی کی آہستہ۔ اور امام تسبیحات کو بالجہر بھی نہیں پڑھ سکتا کیوں کہ مسنون طریقہ تسبیحات کا بالاخفا ہے۔ اگر بالفرض امام سنت کے خلاف تسبیحات بالجہر بھی پڑھے تب بھی پچھلی صفوں کے لوگوں کو امام کی آواز کا پہنچنا مشکل ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس نماز میں جماعت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

بلاشبہ نماز تسبیح نفل نماز ہے اور نوافل کی جماعت احادیث سے ثابت ہے۔ مگر اتفاقی ہے۔ مثلاً ایک آدمی نفل نماز پڑھ رہا ہے اور ایک دوسرا شخص دیکھتا ہے کہ مولوی صاحب یا حافظ صاحب نماز نفل پڑھ رہے ہیں وہ بھی شامل ہو جاتا ہے تو یہ درست ہے لیکن اس کا اہتمام کرنا اور اعلانات اور دوسری ترغیبات کے ذریعہ سے مردوں اور عورتوں کو اکٹھا کر کے مسجدوں میں نماز تسبیح باجماعت ادا کرنا بہر حال بدعت ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز چاشت کی جماعت کو اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حلقہ باندھ کر اللہ اکبر، سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ کے ذکر کو بدعت اور گمراہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ابو اسحاق شاطبی لکھتے ہیں:

" فاذا اجتمع فى الغافلة ان تلتزم التزام السنن الرواتب ..... واما فى اوقات محدودة وعلى وجه محدود واقيمت فى الجماعة فى المساجد التى تقام فيها الفرائض او المواضع التى تقام فيها السنن الرواتب فذالك ابتداع والدليل عليه انه لم يأت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا عن اصحابه ولا عن التابعين لهم باحسان فعل هذا المجموع هكذا مجموعًا وان اتى مطلقًا من غير تلك التقييدات فالتقييد فى المطلق التى لم يثبت بدليل الشرع تقييدها رائ فى التشريع فكيف اذا عارضه الدليل وهو الامر باخفاء النوافل مثلًا ۔ (الاعتصام شاطبی ج۱ ص ۲۸۴)

کہ جب کوئی نفل نماز سنن رواتب کے التزام کے ساتھ، خاص طریقہ کے ساتھ ہمیشہ کے

لیے یا محدود اوقات میں ان مساجد اور مقامات میں با جماعت پڑھی جائے گی جہاں فرائض اور سنن رواتب (سنن موکدہ) ادا کی جاتی ہیں تو یہ نماز بدعت ہی ہو گی کیوں کہ ایسی نماز نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہ سے اور نہ تابعینؒ سے منقول ہے۔ اور مطلق عبادات میں اپنی طرف سے قیود لگانا دراصل از خود شریعت سازی کے مترادف ہے، بالخصوص جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل میں اخفاء کا حکم دے رکھا ہے۔

ثالث یہ کہ نماز تسبیح با جماعت اس لیے بھی جائز نہیں کہ اگر اس کو مساجد میں با جماعت پڑھنا شروع کر دیا جائے تو عوام اس کو سنت سمجھ لیں گے اور اس کو دین کا شعار تصور کرنے لگ جائیں گے جیسا کہ امام شاطبی کے جواب سے اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اور اس کو نوافل کی جماعت کے عموم میں داخل سمجھنا مناسب نہیں۔ جیسا کہ ابن دقیق العید کے حوالے سے اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اور فتنہ کے خطرہ سے سلف نے بہت سی طاعات کو بعض دفعہ چھوڑ دیا تھا چنانچہ حضرت عثمان اسی لیے سفر میں پوری نماز پڑھا کرتے تھے تاکہ عوام یہ نہ سمجھ لیں کہ فرض صرف دو رکعت ہی ہیں (کتاب الحوادث والبدع) میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ص ۳۹

رابع یہ کہ اولیٰ یہ ہے کہ نماز تسبیح دن کے وقت زوال کے بعد پڑھی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کو زوال کے بعد پڑھنے کا حکم دیا تھا عون المعبود ج ۱ ص ۵۰۱ و تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۳۵۱۔ لہٰذا ان وجوہات کی وجہ سے عشاء کے بعد با جماعت نماز تسبیح پڑھنے سے گریز بہتر ہے۔ (عون المعبود ج ۱ ص ۵۰۱)

(جاری ہے)